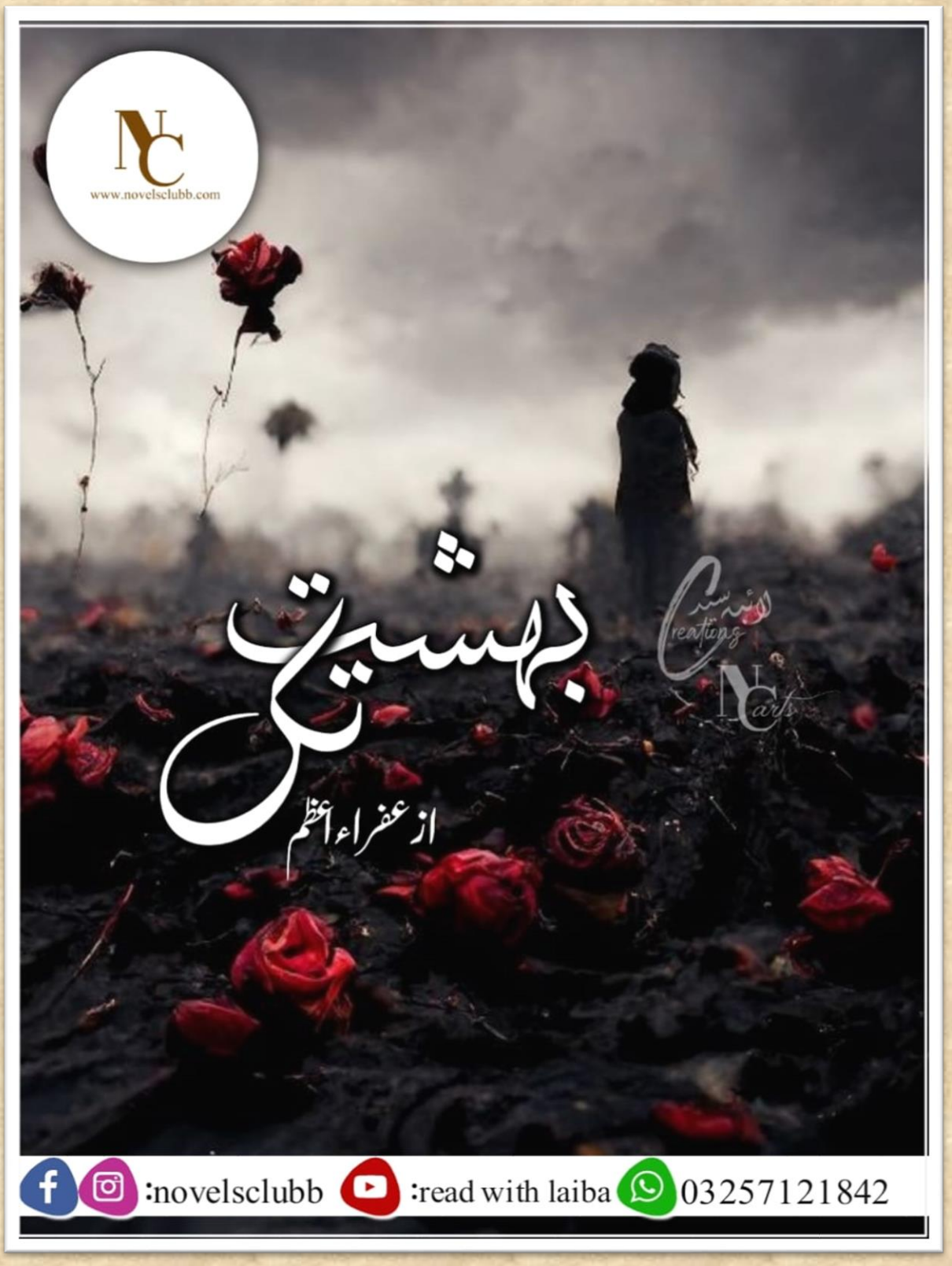
www.novelsclubb.com
بہشت تک
از عفراء اعظم
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

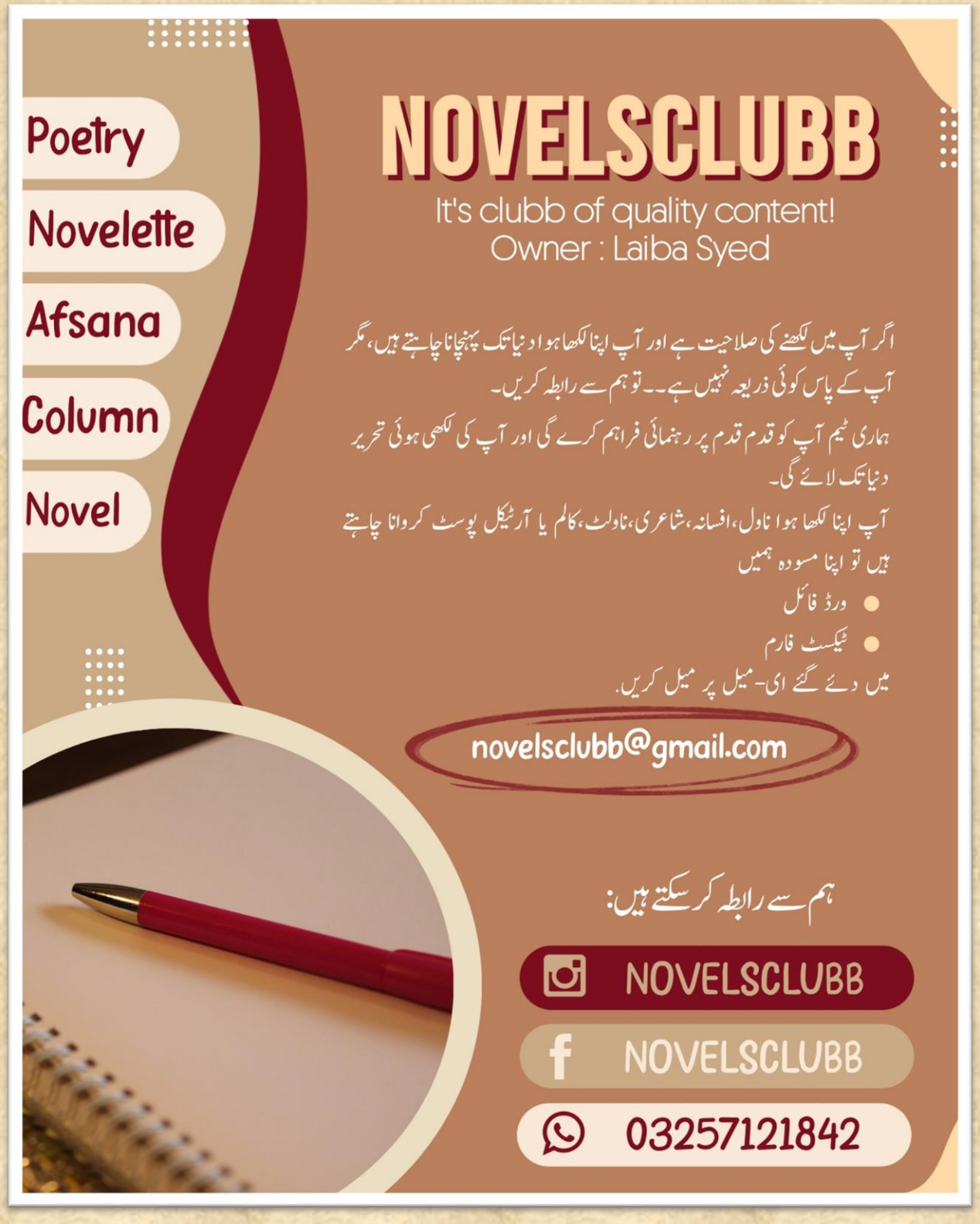
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

بہشت تک

از قلم

عفراء اعظم

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "بہشت تک" کے تمام جملہ حق لکھاری "عفراء اعظم" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

انتساب۔

میرے والدین کے نام جنہوں نے میری بہترین پرورش کی۔

اچھے برے کی تمیز سکھائی۔

میری امی جو میری خیر خواہ، میری رہبر، اور بہترین دوست ہیں۔

میرے ابو جو میرے لیے صحرا میں مانندِ سایہ دار شجر کے ہیں۔

"ممی اور ابی کے نام"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وَقُل رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دنوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

باب دوئم: سفر فنا سے بقا تک کا!

تمہیں باعزت اور بااختیار پیدا کیا گیا ہے،

کوئی نہیں جو تم پہ حکومت کر سکے،

تم اپنے حاکم خود ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کروڑوں سال قبل جو تم سے عہد لیا گیا تھا، عہد الست!

اس کی تکمیل کا وقت آن پہنچا ہے۔

اٹھو! تمہیں وہ عہد پایہ تکمیل تک پہچانا ہے!

یہ رشتے ناطے لوگ تمہیں ڈگمگا نہیں سکتے،

یہ روایات، رنگینیاں، تمہیں روک نہیں سکتی،

راستے کی چٹانوں سے تم ڈر نہیں سکتے،

کہ رب ہے نا تمہارے ساتھ!

تمہیں تاریخ کے پنوں پہ نئی کہانی درج کرنی ہے،

ہواؤں کا رخ موڑنا ہے، سمندروں کی طغیانی کا سامنا کرنا ہے، پہاڑوں کو چیر کے راستہ بنانا ہے۔

اٹھو! تمہیں خود کی قیمت لگانی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہر لمحہ، ہر پل یاد رکھو کہ تمہیں وعدہ وفا کرنا ہے۔

تمہیں مر کے بھی زندہ رہنا ہے کہ

یہ سفر بقا سے فنا تک کا نہیں، فنا سے بقا تک کا ہے!

❀❀❀❀❀

"آپ کو پہلی بار اٹھاتے ہی میری روح میں سکون سا اترا تھا۔مجھے اس لمحے لگا تھا آج صالح ابراھیم مکمل ہو گیا۔ بریرہ میرا بچہ آپ کو دیکھتے ہی میرا دل محبت سے بھر دیا گیا تھا۔"اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔ جیسے یوں کرتے ہوئے وہ سماعت میں بازگشت کرتے الفاظ کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"بریرہ تم آئی ایم اے چھوڑ دو۔"افف یہ بابا کو کیا ہو گیا ہے؟وہ بڑبڑا کر اٹھی۔لیپ ٹاپ کھولا اسے کام تھا۔ مگر ذہن میں سہ پہر والی ملاقات چل رہی تھی۔صالح ابراھیم کا بے بس انداز، آنکھوں میں چمکتی نمی، ڈھلکے کندھے، التجاء کرتا لہجہ، خوف میں بسا انداز وہ یہ سب کوشش کے باوجود بھولنے سے قاصر تھی۔اسے کام کرنا تھا، وہ کام کرنا چاہ رہی تھی، مگر کام نہیں کر پا رہی تھی۔

یہ تو طے تھا کہ وہ آئی ایم اے نہیں چھوڑے گی۔ مگر پھر بابا کی ناراضگی؟

صالح ابراھیم کے آفس سے واپسی کا وقت ہوا چاہتا تھا۔"جب تک بابا کی واپسی ہو تب تک وہ پھولوں کو پانی دے دیگی۔"یہی سوچتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کر کے وہ بالکونی کی طرف بڑھ

گئی۔ باہر شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ منظر ہمیشہ کی طرح دلفریب سحر انگیز ساتھا مگر بریرہ کو آج کی شام اداس سی لگی تھی۔ اور یہ اداسی اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی تھی۔ پھولوں کو پانی دیتے ہوئے وہ ایک نظر پورچ میں بھی دیکھ لیتی جو ہنوز خالی تھا۔ کیا واقعی بابا اتنے شدید ناراض ہیں؟ اس خیال کے آتے ہی وہ لب بھینچ گئی۔ سماعتوں میں صالح ابراھیم کی لرزتی آواز گونج رہی تھی۔

"میں اپنی بیٹی کو ان روایات کی بھینٹ چڑھتے نہیں دیکھ سکتا بریرہ۔"

❁❁❁❁❁

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

قلات۔

رہنے کو سدا "دہر" میں آتا نہیں کوئی۔

تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی۔

یہ منظر "زہری مینشن" کے سب سے خاموش انسان کے کمرے کا تھا۔اس انسان کا جسے دیکھ کے گمان گزرے کہ وہ قوتِ گویائی سے محروم ہے۔کمرے میں دیکھو تو وہ خاموش کردار تمہیں گم سم بیٹھا دکھائی دے گا۔

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ہاتھوں میں تھامے فریم کو تک رہی تھی۔دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو فریم میں موجود تصویر کے چہرے پہ سہلا رہی تھی۔یہ سب کرتے ہوئے چہرے پہ اذیت کے آثار تھے،آنکھوں میں ویرانی تھی،جبکے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ایسی مسکراہٹ جس میں کرب تھا۔اذیت تھی۔

"تم تو مجھے جانتے بھی نہیں ہوگے۔"ایک گستاخ آنسو بوڑھی آنکھوں سے پھسل کر فریم پہ گرا تھا۔

"تم تو بے خبر ہو کچھ نہیں جانتے۔کچھ بھی نہیں۔مگر میں باخبر ہوں میرا کیا؟"وہ سرگوشی کے انداز میں بول رہی تھیں۔یکے بعد دیگرے کئی آنسو فریم پہ ٹپ ٹپ گرتے گئے۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کسی کو تمہارے فراق نے بوڑھا کر دیا ہے۔کوئی تمہاری جدائی سہتے سہتے دسمبر کی سرد طویل راتیں جاگتے ہوئے گزار دیتا ہے۔"اذیت ہی اذیت سی تھی۔آنسو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بہہ رہے تھے۔ بہتے رہے، بہتے رہے یہاں تک کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ یوں ہی روتے ہوئے انہوں نے بہت محبت و شفقت سے وہ تصویر اپنے سینے سے لگائی۔ یوں جیسے فریم میں موجود تصویر نہیں وہ جیتا جاگتا وجود ہو۔

"سارے خسارے ہمارے حصے میں آئے، آخر ہمارا قصور کیا تھا؟" دونوں گھٹنے سینے سے لگائے سر ان کے درمیان میں رکھ کے وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ درمیان میں وہ تصویر تھی۔ لب ہنوز ایک ہی جملے کی تکرار کر رہے تھے۔

"ہمارا قصور کیا تھا؟" اچانک تکرار کرتے لب خاموش ہوئے، چہرے پہ عجب درد بھرے تاثرات ابھرے، دماغ نے ماضی کا سفر کیا ایک دردناک منظر لاشعور کے پردے پہ لہرایا تھا۔ یہ نیم اندھیر کمرا، ہاتھوں میں تھاما فوٹو فریم سب تحلیل ہوتا گیا۔ ماضی کے کئی صفحے پلٹنے کے بعد زہری مینشن کے اسٹڈی روم کا منظر ابھرا تھا۔

"بابا میرا بچہ لادیں۔" عجب درد بھری چیخ و پکار تھی۔ پھر آواز دبتی گئی۔ اور کچھ دیر بعد وہی آواز گونجی تھی۔ "بابا میں مر جاؤں گی۔" اب عجیب گھٹی گھٹی آواز تھی۔ مگر کرسی پہ بیٹھے وجود نے کوئی ردِ عمل نہیں دیا تھا۔

"بابا ماہ وش آپ کے جگر کا ٹکڑا ہے نا، اسی طرح وہ بھی مجھے عزیز ہے۔ آپ کو آپ کی ماہ وش کی قسم! مجھے میرا بچہ لا دیں۔" ان کے قدموں میں بیٹھ کے وہ بلک بلک کے رو رہی تھی۔ اور اس کے الفاظ سن کر یونس زہری سناٹوں کی زد میں آ گئے تھے۔

"ماہ وش کی قسم دے رہی ہو دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کہہ نہیں سکی کہ ماہ وش کی طرح میں بھی تو آپ کی ہی بیٹی ہوں۔ وہ بھی تو میرا بیٹا ہے۔ ہنوز سر جھکائے ان کے قدموں میں بیٹھی رہی تھی۔ پھر جھکا سر اٹھا کے ان کے سرد و سپاٹ چہرے پہ نظر ڈالی۔

"بابا کل ہی اس نے "اماں" کہا تھا۔ خدارا اہم پہ ایسا ظلم نہ کریں۔" بے بسی کے مارے وہ ان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ گئی تھی۔ انہوں نے جارحانہ انداز میں اسے اٹھایا۔

"وہ بچہ ان کا تھا وہ لے گئے۔ اب ادھر اس کا کوئی ذکر نہیں ہو گا۔ آئی سمجھ؟" کتنا سخت لہجہ اور دردناک فیصلہ تھا۔ کچھ دیر کو تو وہ سانس لینا ہی بھول گئی۔

"وہ تو بہت چھوٹا ہے۔" اب وہ گم صم انداز میں بول رہی تھی۔ فاصلے سے دیکھنے پہ ہمکلامی کا گمان گزرتا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اسے تو نیند بھی نہیں آئے گی۔وہ وہ اکیلا ڈر ڈر۔۔۔" بات کرتے کرتے جیسے کچھ یاد آیا ہو وہ تیزی سے آگے بڑھ کر بہت آس سے ان کا بازو تھام گئی تھی۔

"بابا ماہ وش چھوٹی تھی تو ڈر کے آپ کے پاس آتی تھی۔وہ بھی ڈر رہا ہو گا۔وہ کہاں جائے گا۔ وہ اکیلا ڈرے گا۔" وہ بہت تیز تیز اور بے ربط بول رہی تھی۔آنسو بہہ رہے تھے۔عجیب بکھرا بکھرا حلیہ تھا۔

"میں نے کہا زہری مینشن میں اس کا کوئی زکر نہیں ہو گا۔اس کا مطلب نہیں ہو گا۔" وہ سخت لہجے میں کہہ رہے تھے۔لہجہ اتنا سخت جارہانہ تھا کہ روتی بلکتی ماہ جبین بھی سہم گئی۔

"وہ آغا سکندر کا بیٹا ہے اور اب اس کے خاندان میں ہے۔بھول جاؤ کہ کبھی آغا خاندان سے تمہارا کوئی واسطہ رہا تھا۔" اپنی بات مکمل کر کے اسے ساکت،صامت چھوڑ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر باہر نکل گئے۔پیچھے اس کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مصداق تھی۔آنسو وہیں ٹھٹھر گئے،یہاں تک کے وہ اگلا سانس تک نہیں لے سکی تھی۔خود کو گرنے سے بچانے کے لیے وہ بمشکل میز کا سہارا لے گئی۔دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"بھول جاؤ کہ کبھی تمہارا آغا خاندان سے کوئی واسطہ رہا تھا۔" وہ کتنی آسانی سے یہ کہہ گئے تھے مگر ان کی ممتا کا کیا جو تڑپ اٹھی تھی۔ آغا خاندان میں اس کا بچہ تھا اور اسے کہا جا رہا تھا کہ تمہارا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ قیامت سی قیامت تھی۔

آج بھی وہ دردناک، ناقابلِ فراموش دن یاد کر کے وہ نئے سرے سے رو پڑی تھیں۔ ان کی روح گھاؤ زدہ تھی اور مزے کی بات یہ تھی کہ یہ گھاؤ بھی اپنوں کے دیے گئے تھے۔ حقیقت بھی یہی ہے روح کو تار تار کرنے والے ہمیشہ اپنے ہی ہوتے ہیں۔

ناولز کلب

اس منظر کو یہیں چھوڑ کے یونس زہری کے کمرے میں آؤ تو بڑے ابا دوسرے کمرے میں سسکتی بیٹی کی اذیت سے بے خبر پشت پہ ہاتھ باندھے دائیں سے بائیں بائیں سے دائیں چکر کاٹ رہے تھے۔ کئی چکر کاٹنے کے بعد وہیں رکھے صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ بے بسی سے سر صوفے کی پشت سے لگا کے آنکھیں موند گئے تھے۔ آنکھوں پہ پلکوں کی جھالر گری تو اندھیرا چھا گیا۔ اور کچھ لمحوں بعد ذہن نے ماضی کے دریچوں سے جھانکا تو اس سیاہ گھپ اندھیرے میں رنگین منظر ابھرا تھا۔

"بابا میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں۔" میٹھی سی آواز میں کی گئی التجاء پہ ان کی آنکھوں میں خفگی در آئی تھی۔

"ماہ وش کیا آپ زہری خاندان کے اصول بھول گئی ہیں۔" لہجہ تنبیہ کرتا ہوا تھا مگر اس میں سختی ندارد تھی۔ لیکن پھر بھی ان سے کچھ فاصلے پہ بیٹھی لڑکی کی بڑی بڑی سرمئی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی۔ اگر اس لڑکی کی آنکھیں غور سے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ بریرہ بنتِ صالح کی سرمئی آنکھیں ماہ وش زہری کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔

"بابا یہ میری خواہش ہے۔"

ناولز کلب

"کوئی جائز خواہش ہو تو ٹھیک ورنہ جائیں یہاں سے ہم نے مطالعہ کرنا ہے۔" وہ نظریں ہاتھوں میں تھامی کتاب پہ مرکوز کر گئے۔ اس نظر اندازی پہ زہری مینشن کی چھوٹی اور سب سے لاڈلی بیٹی تڑپ اٹھی تھی۔

"بابا آخر اس میں ناجائز کیا ہے؟" اس احتجاج پہ یونس زہری نے سر اٹھا کے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔ کچھ سخت کہنے کو لب وا کیے مگر ان سرمئی آنکھوں میں تیرتی نمی کو رخسار پہ بہتے دیکھ کر لب بھینچ گئے۔

"ہم تو اجازت دے دیں مگر صالح کبھی نہیں مانے گا۔" اب کہ انہوں نے بندوق صالح ابراھیم کے کندھے پہ رکھ کے چلانی چاہی تھی۔ مگر سامنے بیٹھی لڑکی کی سرمئی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ پرجوش سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اللہ بابا انہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ انہوں نے کہا آپ سے اجازت لے لوں۔ اب تو آپ کو بھی اعتراض نہیں ہے، آہہ تھینک یو تھینک یو سو مچ بابا۔" وہ پرجوش سی تیز تیز بول رہی تھی۔ صالح ابراھیم بے بسی بھرے انداز میں مسکرا دیے تھے۔ وہ حاکم تھے، یہاں کے لوگ ان کے محکوم تھے اور انہی لوگوں میں ایک ماہ وش یونس زہری تھی۔ جو ان سے کچھ بھی منوا لیتی تھی، اور وہ مان بھی لیتے تھے۔ اس دنیا میں یونس زہری کو ماہ وش سے عزیز کچھ بھی نہیں تھا۔ کچھ لوگوں کو محبت قسمت جھولی بھر بھر کے دیتی ہے۔ اور ماہ وش کا شمار بھی انہی کچھ لوگوں میں ہوتا تھا۔ بچپن سے ہی وہ سب کی محبتیں سمیٹتی آئی تھی۔ وجہ کیا تھی نہیں معلوم مگر سب کو وہ عزیز تھی اور یہ سب محبتیں وہ اپنا حق سمجھ کر وصولتی تھی۔

وقت نے کئی دہائیوں کا سفر کیا۔ منظر پہ منظر بدلا اور لاشعور کے دھاگے ایک اور حسین منظر میں اٹکے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بابا آپ کو مجھ سے زیادہ بریرہ عزیز ہے نا۔"اس شکوے پہ زرا جھک کر جھولے میں سوئی بریرہ کا معصوم چہرہ تکتے یونس زہری زور سے ہنس پڑے تھے۔

"مجھے میری ماہ وش سے جڑا ہر رشتہ عزیز ہے۔"پلنگ پہ نیم دراز ماہ وش نے منہ بسورا۔

"یعنی واقعی میں بریرہ آپ کو زیادہ عزیز ہے۔"یوں ہی جھکے جھکے یونس زہری نے زرا گردن موڑے اسے دیکھا پھر دوبارہ ہنس پڑے تھے۔

"بتائیں نا بابا۔"وہ سیدھے کھڑے ہوئے دو قدم کا فاصلہ طے کر اس کے پاس آئے۔

"ہاں مجھے بریرہ عزیز ہے کیونکہ وہ میری ماہ وش کا بچہ ہے لیکن۔" لمحے بھر کو ٹھہرے۔ تھوڑا آگے ہو کے اس کے دوپٹے سے ڈھکے سر پہ ہاتھ رکھا۔"ماہ وش مجھے دنیا کی ہر شئے، ہر رشتے سے زیادہ عزیز ہے۔"اس محبت پہ وہ ہنس پڑی تھی۔اسے ہنستے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیے۔

ابھی یہ تبسم مدھم بھی نہ پڑا تھا کہ وقت نے سفر کیا لاشعور کی منزلوں سے سفر کرتا شعور کی دہلیز پہ ایک اور منظر ابھرا۔

"آپ ان سے مل لیں، ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ڈیلیوری کے دوران پیچیدگیوں کی وجہ سے بچے کی جان تو بچا لی لیکن وی آر سو سوری مزید ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"ہسپتال کی

چھت گویا ان کے سر پہ آ گری تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے سامنے کمرے میں داخل ہوئے۔ دوائیوں کی بدبو، موت کا سناٹا جس میں صرف مشینوں کی آوازیں ابھر رہی تھی، سامنے بستر پہ لیٹی ان کی متاعِ کل، لمحے بھر کو ان کے قدم ڈگمگائے مگر وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچے تھے۔ "بابا مجھے سانس نہیں آ رہی۔" وہ اٹک اٹک کے کہہ رہی تھی سرمئی آنکھیں نم تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا ماہ وش۔ سانس لو میرا بچہ۔ تم ٹھیک ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اسے کہنے سے زیادہ وہ گویا خود کو یقین دلا رہے تھے۔ انہوں نے ایک نظر سامنے دیکھا جہاں بے بسی کی عملی تصویر بنے صالح ابراھیم کھڑے تھے۔

"بریرہ کا خیال رکھنا۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی۔ آواز شدتِ نقاہت زدہ تھی۔ انہوں نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ یہ سب ان کا ضبط آزما رہا تھا۔

اپنے پاس لیٹے نومولود بچے کا اس نے دیکھا۔ لبوں پہ تبسم بکھر گیا تھا۔ "اس کا نام۔۔۔" صالح ابراھیم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بولنے سے روکا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ماہی پلیز تم کچھ نہیں بولو، مجھے یاد ہے اس کا نام قیصر ہے۔ قیصر ابراھیم!" وہ ہنس پڑی تھی۔ سرمئی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا تھا اور پھر یوں ہی ہنستے ہنستے وہ رو پڑی تھی۔ اسے روتے دیکھ ضبط کے باوجود بھی صالح ابراھیم اور بڑے ابا رو پڑے تھے۔

"ماہ وش میرا بچہ بابا کو یوں تکلیف تو نہ دو۔" وہ سخت بے بسی سے اس کی پیشانی پہ بوسہ دے کے کہہ رہے تھے۔

"بریرہ۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔ ایک ہاتھ ہنوز صالح ابراھیم نے تھاما ہوا تھا۔

"بریرہ کے لیے پریشان نہ ہو ہم ہیں نا۔ بس تم ٹھیک ہو جاؤ۔" ان کے آخری جملے پہ وہ مسکرا دی تھی۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ صالح ابراھیم بے بسی سے اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔

"میں مرنا نہیں چاہتی۔" وہ بہت بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ پھر اسی بے بسی سے ہنس دی۔ آنسو کسی جھرنے کی مانند بہہ رہے تھے۔

"ماہ وش بابا پہ ایسا ظلم مت کرو۔" یونس زہری اس کا ہاتھ تھام کر زار و قطار رو پڑے تھے۔

صالح ابراھیم نے جھک کر اس کی پیشانی پہ محبت و عقیدت سے بوسہ دیا اور پھر کان میں سرگوشی کی مانند اسے متاعِ حیات تھما گئے۔

"ماہی میرا وعدہ ہے میں بریرہ اور قیصر کے ساتھ کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا۔" وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے، بس کان کے پاس جھکے کہہ رہے تھے، شدتِ غم سے بار بار آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"میں انہیں ویسا بناؤں گا جیسا تم چاہتی ہو۔" یونس زہری نے چونک کر سر اٹھایا۔ای سی جی [(electrocardiogram) ECG]* کی آواز تیز ہو گئی تھی۔اسکرین پہ نظر آتی دل کی دھڑکنیں بہت تیز تھیں۔اس کے ساتھ یونس زہری کی بھی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھی۔ مگر صالح ابراھیم ارد گرد سے بے نیاز ہنوز جھک کر کہہ رہے تھے۔

"میرا انتظار کرنا ہم بہت جلد ملیں گے۔"

I am sorry for every thing. And i love you so "*

*".much janam

انہوں نے دوبارہ اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا پھر اس کے ہاتھ پہ بوسہ دے کر وہ الٹے قدموں باہر نکلنے لگے تھے، آنکھوں سے آنسو کسی جھرنے کی مانند بہہ رہے تھے۔یوں ہی الٹے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

قدموں وہ باہر نک گئے۔ سرمئی آنکھوں میں الواہی چمک عود آئی تھی۔اور پھر ای سی جی کی آوازیں بند ہو گئیں،اس پہ اوپر نیچے ہوتی لائنیں سیدھی ہو گئیں۔سب ختم ہو گیا۔سرمئی آنکھیں ایک نکتے پہ جامد ہو گئیں،یونس زہری ساکت رہ گئے،بیڈ پہ لیٹا نومولود بچہ گلا پھاڑ پھاڑ کے رو پڑا تھا۔سب سیاہ ہو گیا تھا۔ایک اور زی روح اپنا سفر مکمل کر گیا تھا۔موت نے ایک اور زی روح کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ایک اور انسان فنا سے بقا تک کا سفر طے کر گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دل کفیل،دل سبیل،دل بخیل
راستے قلیل، غم طویل، پھر عزرائیل۔

بمشکل ماضی سے حال میں سفر کر کے یونس زہری نے آنکھیں کھولیں۔یہ سفر انہیں ذہنی اذیت دے کر تھکن سے چور چور کر دیتا تھا۔ابھی بھی بوڑھی آنکھوں میں غم کے گہرے

سائے لہرا رہے تھے۔ گہری سانس بھر کے انہوں نے رخسار پہ ہاتھ پھیرا تو وہ نم تھے۔ وہ صوفے سے اٹھ کے اپنی الماری کی جانب بڑے سب سے اوپری خانے پہ رکھا فریم اٹھایا۔

"میرا پیارا بچہ۔" حسرت سے فریم میں موجود ماہ وش کی تصویر کو دیکھ کر وہ محبت سے مسکرا دیے تھے۔ مسکراتے مسکراتے جانے کب آنکھیں نم ہوئیں اور وہ گستاخ نمی رخسار پہ بہہ نکلی تھی۔

"زندگی کا ہر غم ایک طرف تمہارا غم ایک طرف، تمہارے جانے سے میرا دل ویران ہو گیا ہے ماہ وش۔" بولتے بولتے اذیت جب حد سے سوا ہوئی تو وہ لب بھینچ گئے۔

"آپ نے تو بابا کی کمر ہی توڑ دی" بھیگے لہجے میں شکوہ کر کے وہ رو پڑے تھے۔ واقعی جوان اولاد کی موت ماں باپ کی کمر ہی توڑ دیتی ہے۔ یہ یونس زہری "زہری مینشن" کے یونس زہری سے بہت مختلف تھے۔

ماہ وش ان کا عزیز ترین بچہ تھی۔ اتنی عزیز کہ اس کی موت کے اٹھارہ سال بعد بھی اس کا غم بالکل تازہ تھا۔ وہ صرف کہتے نہیں تھے ماہ وش واقعی ان کے دل کا ٹکڑا تھی۔ وہ ٹکڑا کٹنے کے اٹھارہ سال بعد بھی زخم تازہ تھا۔ کیا دل پہ لگے زخموں کی مسیحائی نہیں ہو سکتی؟

کمرے کی فضاء بوجھل ہو گئی تھی۔ہر سو سوگواریت چھا گئی تھی۔ہر چیز اداس سی تھی سوائے فریم میں مسکراتی تصویر کے۔وہ محبت و شفقت سے اس سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔وہ ان کے لیے خاص تھی۔بہت خاص!

زندگی کی بہت سی راتوں کی طرح آج کی رات بھی انہوں نے اپنے لختِ جگر کے نام کر دینی تھی،بہت سی راتوں کی طرح اس رات کو بھی گزر جانا تھا،اور بہت سی راتوں کی طرح یہ رات بھی گزر گئی تھی۔مؤذن کی صدا پہ وہ گہرا سانس بھر کے صوفے سے اٹھے فریم کو الماری میں سابقہ جگہ پہ رکھا،وضو کر کے اپنے کمرے میں ہی فجر ادا کی اور ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والے بڑے ابا یونہی شکن آلود لباس کے ساتھ زہری مینشن سے باہر نکل گئے۔

لان میں چہل قدمی کرتی مسز فیروز نے ٹھہر کے انہیں دیکھا جو بغیر گارڈز کے باہر جا رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یااللہ خیر اتنی صبح صبح بڑے ابا کہاں جا رہے ہیں۔" صفا پریشانی سے انہیں جاتا دیکھ کر بڑبڑائی۔

"آ گئی ہو گی اپنی چہیتی کی یاد اسی سے ملنے جا رہے ہیں۔" مسز فیروز نخوت سے کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔ پیچھے صفا نے تاسف سے ان کی پشت دیکھ کر دوبارہ داخلی دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے وہ جا چکے تھے۔ وہ بھی سر جھٹک کر اندر کی طرف بڑھ گئی البتہ ایک گہری اداسی تھی جو اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے گئی تھی۔

❀❀❀❀❀

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بغداد۔

"قصر الحریۃ" کے بیسمنٹ میں معمول سے ہٹ کر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ساری بتیاں بند تھیں بس باہر راہدری کی بتی جل رہی تھی جس کی وجہ سے یہاں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس تنہائی میں اقراء انہماک سے اسکرین کی طرف متوجہ کام کر رہی تھی۔ مخروطی انگلیاں کیبورڈ پہ چل رہی تھیں۔ اسکرین کی روشنی میں اس کے نقوش کا جائزہ لو تو وہاں جھنجھلاہٹ

تھی۔لب بھینچے ہوئے تھے۔اسکرین پہ سبز الفاظ ابھر کر مٹ رہے تھے۔دفعتاً اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھری۔ایک بار،دو بار۔پھر دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔جھنجھلاہٹ غصے میں بدل رہی تھی۔وہ سخت طیش میں لیپ ٹاپ اٹھا کے سامنے دیوار میں دے مارتی کہ پیچھے سے آتی بھاری گھمبیر سنجیدہ سی آواز پہ چونکی۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟"دروازے کی چوکھٹ پہ ٹیک لگائے سنجیدہ سا جعفر کھڑا تھا۔

"ہاں باس نے کام کہا تھا۔لیکن نہیں ہو پا رہا۔"خلافِ معمول وہ تفصیلی جواب دے گئی تھی۔اسی سنجیدہ انداز میں جعفر اس کے نزدیک آیا۔

"کام کیا ہے؟"وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔اس کی نظریں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جامد سبز الفاظ پہ تھیں۔

اس کے سوال پہ چند لمحے اقراء خاموش رہی۔پھر آہستہ سے جواب دیا۔"نمبر ہیک کرنا ہے۔"جعفر نے اسے اچھنبے سے دیکھا۔

Clubb of Quality Content

"یہ تو تمہارے لیے خاص مسئلہ ہی نہیں ہے۔" وہ حیرت سے کہہ رہا تھا۔ جیسے اس بات پہ یقین کرنا مشکل ہو۔ اقراء بغیر کچھ کہے گہری سانس بھر کے تھوڑا سا جھک کر میز پہ رکھے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایسا کرنے سے اس کے پشت پہ جھولتے پونی میں جکڑے بال کندھے سے آگے آ گئے تھے۔ مخروطی انگلیاں دوبارہ تیزی سے کیبورڈ پہ رقصاں تھی۔ راہداری سے آتی بلب کی پیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ کے پلٹ رہی تھی۔ جعفر دوسری کرسی کھینچ کر ادھر ہی بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھا کے جعفر کو دیکھا پھر کرسی پہ بیٹھ کر گہری سانس بھری۔

"مجھ سے نہیں ہو رہا۔" اس لمحے وہ سخت پریشان لگ رہی تھی۔ جعفر نے تھوڑا آگے جھک کر میز سے اس کا فون اٹھا کے اسے تھمایا پھر اطمینان سے پیچھے کرسی پہ ٹیک لگا کے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے باس کو فون کر کے بتا دو۔" اقراء نے اس سے لے کر پھینکنے کے انداز میں فون میز پہ رکھا، کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔ وہ شاید اس سے اسی ردِ عمل کی توقع کر رہا تھا لہذا اس کے اطمینان میں لحظہ بھر کا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ دونوں بازو موڑ کے سر کے نیچے رکھے وہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس سے پہلے اقراء اٹھ کے جاتی یا اسے کچھ سخت سست سناتی وہ خود ہی بول اٹھا۔

"باس انتظار میں ہونگے اسی لیے تم انہیں کال کر کے بتادو کہ تم سے نہیں ہو پارہا۔"اقراء نے بغیر کوئی جواب دیے کرسی موڑ کے رخ میز کی طرف کیا اور پھر دوبارہ وہ لیپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ جعفر اسی انداز میں ٹیک لگائے اس دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسکرین پہ وہی لال الفاظ ابھرے وہ زور سے میز پہ ہاتھ مار کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کرسی پہ بیٹھا جعفر اس کے مشتعل انداز پہ مٹھی ہونٹوں پہ رکھے بمشکل امڈتا قہقہ ضبط کر گیا تھا۔

"میں باس سے کیا کہوں گی؟"وہ اس کے سامنے کھڑی روہانسہ انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔لمبے عرصے بعد ان کے درمیان یہ باضابطہ گفتگو تھی۔ جعفر نے مسکرا کر ٹیک چھوڑا۔

"تم انہیں بتادو کہ تم نے کوشش کی لیکن تم سے نہیں ہو پارہا۔"وہ کچھ دیر تک بے بسی سے جعفر کو دیکھتی رہی پھر بولی تو آواز تشویش زدہ تھی۔

"باس ناراض ہو جائیں گے۔"واقعی وہ اب رو دینے کو تھی۔ جعفر اٹھا کونے میں رکھے واٹر کولر سے گلاس میں پانی بھر کے دوبارہ آیا تو وہ کرسی پہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھی

تھی۔اس نے اپنی چھوڑی کرسی پہ بیٹھ کے پانی کا گلاس اس کے آگے کیا جو وہ لے کر دوبارہ میز پہ رکھ گئی۔ جعفر نے آگے جھک کر دوبارہ گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"اقراء پہلے پانی پی لیں پھر بات کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں کیا کچھ نہ تھا۔ عزت، محبت، اپنائیت۔ وہ بغیر کسی حیل حجت کے گلاس تھام کر ایک ہی سانس میں پی گئی۔اس کی حرکت پہ وہ بس نفی میں سر ہلا گیا تھا۔

"باس کو کال کر کے بتاؤ کہ بہت دیر سے کوشش کرنے کے باوجود تم سے نہیں ہو پا رہا۔"

اب وہ سنجیدہ تھا۔اقراء نے نفی میں سر ہلایا۔لب بے آواز ہلے تھے۔

"وہ ناراض ہو جائیں گے۔"

Clubb of Quality Content

"اقراء باس کو وقت کا ضیاع سخت ناپسند ہے۔اسی لیے کہہ رہا ہوں وہ ابھی بتانے پہ ناراض نہیں ہونگے۔ لیکن جب وہ خود کال کر کے پوچھیں گے تو قوی امکان ہے کہ تمہیں بھی میری طرح ہی عہدے سے برخاست کر دیں۔" سنجیدگی سے بات کرتے کرتے آخری جملہ اس نے ہنستے ہوئے مزاح میں کہا تھا۔ مگر اقراء کو اس کے لہجے میں اذیت سی دکھائی دی تھی۔ کچھ بہت عزیز کھونے جیسی اذیت۔

"میں کرتی ہوں۔" وہ فون اٹھا گئی۔ وہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ وہ باس کا نمبر ملا کر موبائل کان سے لگا گئی۔ گھبراہٹ ایسی تھی کہ کرسی سے اٹھ کر ادھر اُدھر چکر کاٹتی ایک ہاتھ بار بار گردن کی پشت پہ پھیر رہی تھی۔ جعفر تاسف سے نفی میں سر ہلا کر اپنے جوگرز کی آگے والی جگہ ٹھوکر کی صورت زمین پہ مارنے لگا تھا۔

ایک بازگشت سماعتوں میں گونجی تھی۔ "اگر تم نے میری جان بچائی تھی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم جو چاہو گے میں وہ کروں گی۔" حرکت کرتے پاؤں ساکت ہو گئے۔ اس نے جھکا سر اٹھا کر دیکھا وہ کونے میں کھڑی کچھ کہہ رہی تھی۔ غالباً باس نے کال اٹینڈ کر لی تھی۔

وہ اس کی پشت دیکھتا رہا ذہن بغداد کی سڑک پہ اس بھیگتی صبح والی ملاقات میں اٹکا ہوا تھا۔

"میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔" سماعت میں گونجتی آواز پہ اس کی پشت کو تکتے وہ ہمکلام ہوا تھا۔

"وہ مذاق کر رہی ہو گی۔"

"پھر اس کا یوں اکھڑ انداز۔اس کے پیچھے بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ وہ سچ ہی کہہ رہی ہو گی۔" دماغ نے خدشہ پیش کیا تھا۔اور اس خدشے پہ جعفر صادق کا دل گویا کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔

"لیکن آج تو وہ اکھڑ نہیں تھی نا۔" آج کے رویے سے دل خوش فہم ہوا تھا۔دماغ اس زبردستی کی خوش فہمی پہ مزید کوئی سرزنش کرتا کہ اپنے نام کی پکار پہ دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔

"جعفر۔" اس نے اتنی خوشی سے پکارا تھا۔واللہ آج سے پہلے اسے اپنا نام کبھی اتنا خوب صورت نہیں لگا تھا۔ابھی تو خوشی سے پکارا تھا اگر محبت سے پکارتی تو قوی امکان تھا کہ جعفر صادق نے اس پہ اپنی جان وار دینی تھی۔

"باس نے کچھ نہیں کہا۔بس انہوں نے ڈیٹلز مانگی اور کچھ نہیں کہا۔وہ ناراض بھی نہیں ہوئے۔" اس کے سامنے بیٹھی وہ بہت جوش سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

"بس اتنی سی بات تھی تم فضول میں پریشان ہو رہی تھی۔" وہ آرام سے کہہ کر دوبارہ کرسی سے ٹیک لگا گیا۔

"تمہاری وجہ سے میں بچ گئی ورنہ خود سے میں کبھی کال نہیں کرتی۔ تھینک یو جعفر۔" تشکر آمیز انداز میں اس نے شکریہ ادا کیا۔ جعفر نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے زرا سا سر جھکا کر اس شکریہ کو قبول کیا تھا۔ اس کے انداز پہ وہ ہنس پڑی تھی یونہی ہنستے ہنستے وہ اپنا رخ میز کی جانب کر گئی۔ بے اختیار جعفر یک ٹک اسے دیکھتا رہا، معمول سے ہٹ کر دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ اس لمحے یوں ہنستے ہوئے وہ اسے دنیا کی حسین ترین عورت لگی تھی۔

"تم کافی پیو گے؟" اقراء کی آواز پہ وہ ہوش کی دنیا میں لوٹا تھا۔

"اگر تم خود بناؤ تو ضرور۔" اس فرمائش پہ اقراء نے زرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اس کا معصوم سا انداز دیکھ کر وہ دوبارہ ہنس پڑی تھی۔ وہ بات بے بات ہنس رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ باس ناراض نہیں ہوئے اور جعفر صادق اسی میں خوش تھا کہ وہ خوش تھی۔

دل بھی کمبخت عجب شئے ہے وہاں ہی خوار کرواتا ہے جہاں قدر نہ ہو۔

❀❀❀❀❀❀

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لاہور۔

پھولوں کی نرم نرم پتیوں پہ نظریں جمائے وہ پانی دے رہی تھی۔ معمول سے ہٹ کر چہرہ آج سنجیدہ تھا۔ پھولوں کی مسحور کن خوشبو نے حسبِ معمول فضا کو معطر کیا ہوا تھا مگر آج یہ خوشبو بھی اس کے تنے اعصاب کو پر سکون کرنے میں ناکام ٹھہری تھی۔ بظاہر وہ گملوں میں پانی ڈال رہی تھی مگر ذہنی رو بھٹک کر نجانے ماضی کی کونسی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھلکھلاتے پھول، سامنے غروب ہوتا آفتاب، سب تحلیل ہوتا گیا۔ بالکونی کے ٹھنڈے یخ فرش کی جگہ نرم گداز قالین نے لے لی۔

چار سال قبل۔

یہ منظر صالح ابراھیم کے کمرے کا تھا۔ جہاں وہ سامنے صوفے پہ بیٹھے اچھنبے سے بریرہ بنتِ صالح کو دیکھ رہے تھے۔ اور سامنے بیٹھی بریرہ چہرے پہ بہت آس، امید لیے کچھ کہہ رہی

تھی۔وہ خاموش ہوئی تو پورے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔کچھ لمحوں کے توقف کے بعد ان کی گھمبیر آواز گونجی۔

"بریرہ یہ مشکل سفر ہے۔"وہ تنبیہہ کر رہے تھے۔

"جو اللہ کے کاموں میں لگ جاتا ہے اللہ اس کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔"اس کا لہجہ مستحکم تھا۔وہ یہ بات جانتے تھے مگر اس کا جو مطالبہ تھا وہ کیسے مان لیتے؟ جبکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ سفر مشکلوں کا سفر ہے۔

"آپ ماہرِ نفسیات ہیں۔تو اپنے مریضوں کو وقت دیں یہ دوسرے بکھیڑوں میں کیوں پڑ رہی ہیں؟"انہوں نے دوسرا پتا پھینکا۔وہ بھی ماہر تھی فوراً بول اٹھی۔

"بابا انسانی نفسیات پڑھنا میرا شوق تھا۔انسانوں کے مسائل سننا انہیں حل کرنا میرا پیشہ ہے۔یہ سب میں اپنے لیے کر رہی ہوں۔میرا کام ہے مجھے کرنا ہے۔"لیکن "آئی ایم اے" میرا خواب ہے۔اسے چھوڑ کر یہ سب مجھے کافی نہیں ہے۔"صالح ابراھیم کے چہرے پہ عجیب کشمکش کے آثار تھے۔جیسے فیصلہ لینے میں مشکل درپیش ہو۔وہ گہری سانس بھر کے

آگے کو جھکے۔وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں شیشے کی میز رکھی تھی۔اس میز پہ سوائے بریرہ کے موبائل کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"بیٹا تم اس کم عمری میں ایک کامیاب سائیکاٹرسٹ ہو۔کیا یہ کافی نہیں ہے؟" وہ حیرت سے استفسار کر رہے تھے۔چند لمحوں تک بریرہ خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی کہ کیا واقعی وہ حیرت زدہ تھے؟ خاموش تجزیے کے بعد جو لفظ اس کے حلق سے نکلے تھے انہوں نے صالح ابراھیم کو ساکت کر دیا تھا۔

"بابا میں مرنا نہیں چاہتی۔" وہ حیرانی سے ماؤف دماغ کے ساتھ اسے تکے گئے۔اس کا سر جھکا ہوا تھا۔پھر بمشکل ان کے حلق سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔"کیا مطلب؟" بریرہ نے جھکا سر اوپر اٹھایا۔چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی۔

"بابا ہم سب نے مر جانا ہے۔موت برحق ہے۔موت ہی ایسی واحد شئے ہے جس کا دنیا کے کسی بھی مذہب میں، کسی بھی ذی روح کو انکار نہیں ہے۔ہر کوئی اس بات پہ متفق ہے کہ ہر ذی روح کو ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" اس کی باتوں میں اتنا تضاد کیوں تھا؟ چند لمحے قبل وہ کہہ رہی تھی کہ میں مرنا نہیں چاہتی اور اب یہ یونیورسل ٹرتھ۔وہ حیرت زدہ تھے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہوں نے پہلو بدل کر اسے ٹوکنا چاہا مگر اس کی اگلی بات سن کر وہ یہ نہیں کر پائے تھے۔ انہوں نے حیرت سے بریرہ کو دیکھا جو کہہ رہی تھی۔

"ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سفر بقا سے فنا تک کا ہے۔ انسان مر کر فنا ہو جاتا ہے۔ نہیں یہ سفر تو فنا سے بقا تک کا ہے۔ اصل بقا تو موت کے بعد کی زندگی میں ہے۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔ صالح ابراھیم حیرت زدہ تھے۔ یا اللہ! وہ کب اتنی بڑی ہو گئی تھی؟ وہ اتنی بڑی بڑی فلسفیانہ باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے یہ سب آخر کہاں سے سیکھا تھا؟ حیرت اس قدر تھی کہ وہ کچھ کہہ ہی نہیں پائے۔

"بابا میں جو کرنا چاہتی ہوں یہ میرا فرض ہے یہ سب کرنے کا کروڑوں سال پہلے عہد کر چکی ہوں۔"

"کیسا عہد؟" اسے معلوم تھا وہ جانتے ہیں کہ بریرہ کونسے عہد کی بات کر رہی ہے مگر پھر بھی وہ جواب دے گئی۔

"عہد الست۔" یک لفظی جواب۔ صالح ابراھیم نے آنکھیں میچ کے گہری سانس بھری۔ اسے دیکھا وہ عین ان کے سامنے بیٹھی مکمل اعتماد کے ساتھ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ سرمئی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔ گویا وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ان کی آواز گونجی۔

"آئی ایم اے کا مقصد کیا ہے؟" وہ رضامند ہو گئے تھے۔ بریرہ مسکرا کر انہیں بتانے لگی تھی۔ لہجے کا عزم، سرمئی آنکھوں کی چمک بات کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

"آئی ایم اے (اسلامک میسجنگ اکیڈمی) کا مقصد امتِ محمدیہ کو اکھٹا کرنا ہے۔ یہ ایک ادارہ ہو گا جہاں کسی بھی فرقہ واریت کو پرے رکھ کر صرف امتِ محمدیہ اکھٹی ہو گی۔ کوئی فرقہ واریت نہیں، کوئی طاغوتی نظام نہیں۔ ہمارا مقصد اللہ کی زمین پہ اللہ کا نظام نافظ کرنا ہے۔" وہ مزید کہہ رہی تھی۔ صالح ابراھیم کے چہرے پہ اب پریشانی کی جگہ اشتیاق لے رہا تھا۔ وہ بہت دھیمے انداز میں انہیں پروجیکٹ کے بارے میں سمجھا رہی تھی۔ کتنی دیر وہ بولتی رہی اور وہ سنتے رہے تھے۔ پھر کچھ چیزوں کو بدلنے کا مشورہ دے کر وہ تھوڑا آگے کو جھکے، بازو موڑ کر کہنیاں گھٹنوں پہ رکھیں اور ہاتھ چہرے پہ پھیرے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ قدرے توقف سے اسے پکارا۔ "بریرہ۔" وہ جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی فوراً بول اٹھی۔ "جی بابا۔" اسی طرح آگے کو جھکے ہی انہوں نے کہنا شروع کی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"یہ راستہ جو آپ نے چنا ہے یہ انبیاء کا راستہ ہے اور اس راستے میں آزمائش شرط ہے" وہ ٹھہرے۔ بریرہ کی آنکھوں میں دیکھا وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"دیکھو بریرہ اپنی آخری سانس تک یہ دو باتیں یاد رکھنا۔

پہلی بات اس راہ پہ آپ خود نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ لائے ہیں۔" ان کے خاموش ہونے پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور دوسری بات عزت، ذلت، زندگی، موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔" وہ خاموش ہو گئے۔ بریرہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا جو وہ کہنا چاہتے تھے وہ سمجھ گئی تھی۔ صالح ابراھیم مسکرا دیے تھے وہ اٹھے اس کے قریب آئے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب فرمائے۔" دعائیہ کلمات کہہ کر وہ باہر نکل گئے۔

"آمین!" بریرہ کے لب بے آواز ہلے تھے۔ جانے کیوں ایک اشک آنکھ سے نکل کر رخسار پہ بہہ گیا تھا۔ اور آج چار سال بعد بھی اس واقعے کو یاد کر کے وہ رو پڑی تھی۔ آنسو صاف کر کے اس نے نیچے کی طرف دیکھا صالح ابراھیم کی گاڑی نہیں تھی یعنی ابھی تک وہ نہیں آئے تھے۔ دور کہیں مغرب کی آذان کی صدا بلند ہوئی تھی۔ ایک اداس نظر پھولوں پہ ڈال کر وہ

اندر بڑھ گئی۔اسے مزید کام کرنے تھے۔رات کو ٹیم کے ساتھ میٹنگ تھی مگر اس کا دماغ ماؤف تھا۔رہ رہ کے صالح ابراھیم کے ڈھلکے کندھے، بے بس آنکھیں، شکستہ وجود، سامنے آ رہا تھا۔وہ وضو کر کے آئی اور جائے نماز پہ کھڑی ہو گئی۔ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی نماز دھیمی پر سکون سی تھی۔فرض ادا کر کے جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سرمئی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔اس لمحے وہ بس انسان تھی۔ادنیٰ انسان۔ایسی انسان جسے پریشان بھی ہوتی ہے، جس پہ مشکلات بھی آتی ہیں، جسے لوگ اکیلا بھی چھوڑ جاتے ہیں۔دنیا کی نظر میں مضبوط عورت، کامیاب ماہرِ نفسیات، بہترین لیڈر، ربِ کائنات کے سامنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر زار و قطار رو پڑی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ لیڈر تھی لوگ اسے روتا نہیں دیکھ سکتے تھے بلکہ لوگوں کو اس سے رونے کی توقع ہی نہیں تھی لیکن اللہ ﷻ کے سامنے وہ بس اس کی کمزور بندی تھی۔وہ جیسے چاہتی جتنا چاہتی رو سکتی تھی۔یہاں اسے جج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

یہاں سے بہت دور کوئی لیپ ٹاپ سامنے رکھے بریرہ بنتِ صالح کا سیشن سن رہا تھا۔

#(ایک لیڈر ہمیشہ اکیلا ہوتا ہے۔بظاہر اس کے ارد گرد بہت ہجوم ہوتا ہے۔ لیکن در حقیقت وہ اکیلا ہوتا ہے۔پہلے جب شروعات ہوتی ہے تو لوگوں کو اس کی قابلیت پہ شک ہوتا ہے۔ کوئی ساتھ چلنے سے انکاری ہو جاتا ہے اور کوئی بیچ راستے میں چھوڑ دیتا ہے۔اور جب وہ اپنے آپ کو ثابت کرتا ہے تو لوگ آتے ہیں۔اسے اپنا رہنما مانتے ہیں،اسے آئیڈیلائز کرتے ہیں۔ مگر اب وہ عام انسان نہیں ہوتا۔اس کے ذمہ بہت بڑے کام ہوتے ہیں۔لوگوں کی اس سے توقعات جڑی ہوتی ہیں۔ایک لیڈر اپنے لوگوں کے سامنے رو نہیں سکتا، مشکل میں گھبرا نہیں سکتا،اسے اعصاب مضبوط رکھنے ہوتے ہیں۔بظاہر ایک ہجوم کے درمیان وہ شخص در حقیقت تنہا ہوتا ہے۔لوگوں کے سامنے وہ اپنے دکھوں کا اشتہار نہیں لگا سکتا،وہ اپنی پریشانیوں کا رونا نہیں رو سکتا کیونکہ لوگ اس سے یہ توقع نہیں رکھتے۔وہ اپنا دل صرف اللّٰہ کے سامنے کھولتا ہے۔اللّٰہ کے سوا اس کے پاس کوئی نہیں ہوتا۔اور ایک یہی طاقت ہوتی ہے جو اسے لیڈر بناتی ہے۔یاد رکھیں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ غصہ کرنے والے،بہت جلد پینک ہو جانے والے، چھوٹا سوچنے والے لوگ کبھی لیڈر نہیں بنتے۔لیڈر بننے کے لیے جگر بڑا کرنا پڑتا ہے،دل وسیع کرنا پڑتا ہے۔)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

❀❀❀❀❀

بغداد۔

میر کے جانے کے بعد سے "قصر الحریۃ" خاموش تھا۔ یہاں کے مکین عجیب سے ہو گئے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھرتا، نجانے میر کے خاندان کو ہو کیا گیا تھا۔ آج بھی ویسی ہی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ سب بیسمنٹ میں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ وہی ماحول تھا۔ اس میں کچھ مختلف تھا تو وہ یہ کہ ان کے درمیان ان کا تعلق نہیں تھا۔ وہ سب سرد انداز میں اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ ایک سرد سی دیوار تھی جو ان کے درمیان محسوس ہو رہی تھی۔ دفعتاً ایک خوشبو کا جھونکا آیا تھا۔ سب نے چونک کر سر اٹھایا۔ داخلی دروازے سے میر آ رہا تھا۔ وہی پراسرار شخصیت، وہی وقار، وہی انداز، وہ ویسا ہی آیا تھا جیسا گیا تھا۔ جب وہ نہیں بدلا تو اس کے پیچھے یہ سب کیوں بدل گئے تھے؟

پندرہ دن بعد اسے سامنے دیکھ کر سب اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے مسکرا کر سب نے ہاتھ سینے پہ رکھ کر زرا سا سر کو خم دے کر ایک ساتھ "مرحبا" کہہ کر اس کا استقبال کیا۔ اس عقیدت بھرے انداز پہ وہ مسکرا دیا تھا۔ وہی ازلی خوبصورت، دلکش مسکراہٹ! اس کے اشارے پہ وہ سب اپنی اپنی کرسیوں پہ بیٹھ گئے سب مسکرا رہے تھے۔ کچھ دیر قبل والی سرد خاموشی ختم ہو گئی تھی۔ کیا واقعی وہ صرف باس کو مس کر رہے تھے یا بات کچھ اور تھی؟

وہ قدم قدم چل کر جعفر کے سامنے آیا اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا بلب کی روشنی میں شہادت کی انگلی میں پہنی انگوٹھی میں جڑا سبز عقیق چمک رہا تھا۔

"طبیعت کیسی ہے جعفر؟" جعفر نے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا وہاں فکر مندی تھی۔ کچھ دن قبل میٹنگ والے میر سے یہ یکسر مختلف تھا۔

"اب ٹھیک ہے۔" جواب دے کر وہ سر جھکا گیا۔ نزدیک سے دیکھنے پہ وہ جعفر کو پہلے والا میر نہیں لگا تھا۔ جیسے کچھ تھا جو اس میں بدل گیا ہے۔ کچھ ایسا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کچھ عجیب، برا، یا جیسے کوئی انہونی سی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم سب نے مجھے مایوس کر دیا ہے۔" وہ اپنی کرسی کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ س نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ وہ کرسی پہ بیٹھا ایک نظر سب پہ ڈالی وہ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

"میں حیران ہوں کہ تم سب کیسے بھول گئے کہ " وہ ٹھہرا یہاں دو وجود ایسے تھے جن کا سانس سینے میں اٹک گیا تھا۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا مگر ان کی حالت سے بے نیاز وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"میرا اپنے سے جڑے لوگوں کے بارے میں ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔" اس کا اشارہ کس طرف تھا؟ نہیں معلوم۔ مگر وہ سب ششدر رہ گئے تھے۔

Clubb of Quality Content

"قصر الحریۃ کی بنیادیں کمزور کرنے سے پہلے یہ جان لو کہ میں مزید وارننگ نہیں دوں گا۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر باہر جا رہا تھا۔ وہ سب ساکت بیٹھے رہ گئے تھے۔ وہ کیا کہہ گیا تھا؟ وارننگ، بنیادیں کمزور، یہ سب کیا تھا؟ وہ چیختا چلاتا یا ذیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ ابھی بھی بس کچھ جملے کہے تھے اور یہی کچھ جملے سب کو ساکت کر گئے تھے۔ کیا کسی نے غداری کی تھی؟ جعفر نے حیرت سے سب کی طرف دیکھا سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ یعنی واقعی کسی نے

غداری کی تھی اور اصولوں کا پابند میرا اپنے خاندان کے لیے اپنا پہلا اصول "غداری کی کوئی معافی نہیں ہے صرف سزا ہے وہ بھی سزائے موت" توڑ گیا تھا۔ کیا وہ بھول گیا تھا کہ اصول توڑنے والوں کو تقدیر سخت سزائیں دیتی ہے۔

❁❁❁❁❁

زندگانی جس کو کہتے ہیں، فراموشی ہے یہ۔

خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ!

ناولز کلب

"زہری مینشن" میں معمول سے ہٹ کر گہما گہمی تھی۔ ہوتی بھی کیوں نہ آخر؟ اگلے ہفتے یہاں کے لاڈلے سپوت کی شادی تھی۔ علاقے کے لوگوں کو دعوتِ عام تھی۔ زہری مینشن کو سجایا گیا تھا۔ ڈیرے پہ دیکھو تو خالص مردانہ محفل جمی ہوئی تھی ادھر کوئی بھی عورت نہیں تھی اور یہاں عورتوں کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔ درمیان میں آگ جلائی گئی تھی تاکہ سردی کا احساس کم کیا جاسکے مگر بھلا ہو قلات کی سردی کا اس پہ یہ آگ بھی اثر انداز ہونے سے قاصر تھی۔ بلوچی گانے کی آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔ ایک جانب

صوفوں پہ یونس زہری، فیروز زہری، سلیمان فیروز بیٹھے تھے۔چاروں طرف خاندان کے معزز لوگ بیٹھے تھے۔ہاتھوں میں پیالیاں اور ساسر تھامے ہوئے تھے۔پیالیوں میں چائے تھی جن سے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہے تھے۔اور بالکل درمیان میں دیکھو تو اس گانے پہ بلوچی چاپ کھیلا جا رہا تھا۔

(یہ بلوچی روایتی ڈانس ہوتا ہے، یہ بلوچ، براہوی اپنی شادیوں میں کرتے ہیں اور تین مارچ بلوچ کلچر ڈے پہ بھی کرتے ہیں۔یہ اس طرح ہوتا ہے کہ بہت سارے لڑکے مل کر ایک ساتھ گول دائرے میں ڈانس کرتے ہیں۔انہیں قمیض اور گھیر دار شلوار پہنی ہوتی ہے اور بالکل ایک ساتھ ایک ہی طرح پاؤں کے اور ہاتھ کے اسٹیپس لیتے ہیں۔)

یونس زہری نے ہاتھ کے اشارے سے سلیمان کو بلایا وہ اٹھ کر ان کی طرف آیا زرا جھک کر اپنا کان ان کے چہرے کے پاس لایا۔کیونکہ میوزک کی وجہ سے کچھ بھی سنائی دینا محال تھا۔

"داؤد کہاں ہے؟"ان کے لہجے میں ہلکی خفگی تھی۔سلیمان نے ایک نظر آس پاس ڈالی سوائے فیروز زہری کے ان کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔باقی سب چاپ دیکھ رہے تھے۔وہ ہلکا سا ان کے کان کی طرف جھکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ ابھی گیا ہے۔" بڑے ابا نے بھنویں اچکا کے اسے دیکھا۔تاثرات ایسے تھے کہ یہ میں بھی جانتا ہوں آگے بتاؤ۔

"اندر گیا ہے۔" اس نے وہاں بنے کمروں کی طرف اشارہ کیا۔ بڑے ابا نے ایک نظر سب پہ ڈالی وہ سب مصروف تھے۔چاپ ہنوز جاری تھا۔

"اسے کہو اگر ڈرامے ختم ہو گئے ہوں تو اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ مہمان انتظار کر رہے ہیں۔" بظاہر وہ مطمئن انداز میں بات کر رہے تھے مگر سخت غصہ تھے۔اور اس کا اندازہ ان کے الفاظ کے چناؤ سے بخوبی ہو رہا تھا۔

ان کے غصے کے پیشِ نظر سلیمان بغیر کچھ کہے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ بڑے ابا اس کی پشت کو تک رہے تھے۔لاشعور میں ایک بازگشت گونجی تھی۔

"بریرہ کا خیال رکھنا۔" انہیں شدید تپش محسوس ہو رہی تھی سردی کا احساس ختم ہو رہا تھا۔ درمیان میں بڑھکتی آگ کے شعلے انہیں جھلسانے لگے تھے۔

بیٹی سے کیا گیا آخری وعدہ یاد آیا تھا۔ان کی اپنی کہی بات ان کے سماعت میں گونجی تھی۔

"بریرہ کے لیے پریشان نہ ہو ہم ہیں نا۔ جانے وہ وعدہ وفا کر پائے تھے یا نہیں۔ انہیں سینے میں کچھ جلتا محسوس ہوا تھا۔ اس لمحے یہ کشادہ لان، روایتی ڈانس، مہمان، سب تحلیل ہوتا جا رہا تھا۔ انہیں بس ماہ وش یاد آ رہی تھی۔ ہنستی مسکراتی ماہ وش، پھر اس کی اکھڑتی سانسیں، بے بس آنکھیں، آخری التجاء، صالح ابراھیم کی بات پہ آخری مسکراہٹ، ای سی جی کی آوازیں، کفن میں لپٹا وجود، لحد کے اوپر مٹی ڈالتے ان کے اپنے ہاتھ۔ بے ساختہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ وہ آج بھی ایسے ہی کانپ رہے تھے جیسے ماہ وش کی قبر پہ مٹی ڈالتے وقت کانپے تھے۔ شدید تپش محسوس ہو رہی تھی جیسے درمیان میں بڑھکتی آگ نے ان کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بابا میں مرنا نہیں چاہتی۔" کتنی بے بس پکار تھی۔ وہ انہیں یاد آتی تھی بہت یاد آتی تھی۔ مگر اتنے مہمانوں کے بیچ اس طرح وہ انہیں یاد کیوں آ رہی تھی؟ ہر طرف شور و غل تھا۔ سب مصروف تھے اور ان کے درمیان قلات کا سابق حاکم اپنی مرحومہ بیٹی کی یاد میں سینہ مسل رہا تھا۔ ان کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ پھر انہوں نے آنکھیں میچ کر کھولیں چند گہرے سانس بھرے۔ دائیں جانب کھڑے ملازم کو اشارہ کیا تو وہ پانی کا گلاس لے آیا جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گئے تھے۔ جیسے صدیوں سے پیاسے ہوں مگر اس پانی سے نہ پیاس بجھی تھی اور سینے

کی جلن بھی ہنوز قائم تھی۔آنکھوں میں سرخ ڈورے بن گئے تھے۔وہ انہیں عزیز تھی بے حد عزیز۔اور یہ توازل سے طے ہے کہ انسان کو اس کی محبوب ترین شئے کے ذریعے سے ہی آزمایا جاتا ہے۔

گلاس ملازم کو تھما کر انہوں نے سامنے دیکھا چاپ ہنوز چل رہا تھا لوگ مسکرا کر تالیاں بجا رہے تھے۔بھانت بھانت کی بولیاں تھیں۔وہ بمشکل مسکرانے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر سب رک گیا، محفل میں کچھ لمحوں کو خاموشی چھا گئی تھی،داؤد فیروز آیا تھا۔سفید کاٹن کے کپڑوں کے ساتھ سیاہ جوتوں میں ملبوس وہ پراعتماد انداز میں خاندان کے بڑوں سے مل رہا تھا سرمئی شال شانوں پہ پھیلا کر آگے کی طرف ڈالی ہوئی تھی۔صاف رنگت، کشادہ پیشانی، ہلکی داڑھی میں وہ باوقار لگ رہا تھا۔براہوی خوبصورت ہوتے ہیں مگر وہ خاندان کا سب سے خوبرو مرد تھا۔اور حاکم بھی تھا اس کے علاوہ اس کی ذات کا اعتماد، یہ چیزیں مزید اس کی شخصیت کا گرویدہ کرتی تھیں۔

وہ سب سے مل کر بڑے ابا کے ساتھ کچھ فاصلے پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھا۔چاپ دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔لوگوں کی نگاہوں کا مرکز اب وہ چاپ کم داؤد فیروز زیادہ تھا۔یونس زہری

Clubb of Quality Content

بھی اسے تک رہے تھے آنکھوں کے سامنے بریرہ کا سراپا تھا اور ذہن میں ایک ہی جملے کی تکرار تھی۔

"بریرہ کا خیال رکھنا۔"

اور داؤد ان سب نگاہوں سے بے نیاز کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر نجانے کیا سمائی کہ جیب سے موبائل نکال کر اس نے کچھ ٹائپ کیا اور شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ سینڈ پر کلک کر دیا۔ وہ میسج سیکنڈ کے اندر اندر قلات کی سرد فضاؤں میں تیرتا یہاں سے بہت دور بریرہ بنتِ صالح کی فون کی اسکرین پہ چمکا تھا۔

وہ نماز کی طرح دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے دونوں ٹانگیں موڑ کر بازوان کے گرد باندھے تھوڑی درمیان میں ٹکا کر کسی غیر مرعی نقطے کو تک رہی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں ہلکی سوجن سی تھی۔ موبائل کی بپ پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا جلدی سے جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھی بیڈ پہ لیپ ٹاپ کے پاس ہی رکھا موبائل اٹھا کے دیکھا اسکرین پہ چمکتا داؤد نام دیکھ کر سرمئی آنکھیں سکڑیں ایسا کرنے سے بھنویں درمیان سے سکڑ گئی تھیں۔

"میرا دل کر رہا ہے کہ کاش تم ابھی میرے پاس ہوتی۔"اس نے حیرت سے دو سے تین بار میسج کو پڑھا۔یہ کیا کہہ رہا تھا؟آخر وہ کہنا کیا چاہ رہا تھا؟

"کیوں خیریت؟"

"میں اپنی شادی کا روایتی چاپ اپنی منکوحہ کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔"جواب اگلے پل ہی موصول ہو گیا تھا۔گویا وہ اس کے میسج کے انتظار میں تھا۔جواب پڑھ کر بریرہ بنتِ صالح گرنے والے انداز میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔جو وہ سمجھانا چاہتا تھا وہ سمجھ گئی تھی۔موبائل ہنوز تھاما ہوا تھا۔سرمئی آنکھیں نم سی ہو گئی تھی۔افف خدایا وہاں چاپ چل رہا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئی۔عجب بے بسی تھی۔اپنے ہی کہے الفاظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

#("شادی تو سنت کے طریقے سے کی جاتی ہے۔جیسی صحابہ کی صحابیات کی ہوئی تھی۔ابھی ہمارے پاس روایات کے نام پہ مختلف رسومات ہوتی ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ اولاد اماں فاطمہؓ جیسی ہو بچے سردارانِ نوجوانانِ جنت جیسے ہوں۔کیا آپ کی شادی اماں فاطمہؓ کی شادی جیسی ہوئی تھی؟کہ آپ کو اولاد نیک صالح چاہیے۔جب آپ بنیاد ہی غلط طریقے سے رکھ رہے ہیں تو اوپر عمارت کے صحیح ہونے کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟)

اس کی شادی میں میوزک چل رہا تھا روایتی ڈانس چل رہا تھا۔افف خدایا! بے ساختہ اس کا ہاتھ تیز دھڑکتے دل پہ گیا تھا۔ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئیں تھیں۔وہ تو سنت کے طریقے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔پھر یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟اسے ڈر لگ رہا تھا۔ہاں اس لمحے بریرہ بنتِ صالح کو ڈر لگ رہا تھا۔وہ شدید ڈر رہی تھی۔دنیا کو سادگی کی، سنتوں کی ترغیب دینے والی بریرہ بنتِ صالح کی شادی میں چاپ کھیلا جا رہا تھا۔کیا اس کا شمار بھی منافقوں میں کیا جائے گا؟اس کا وجود کانپ رہا تھا موبائل جانے کب کا ہاتھوں سے گر پڑا تھا۔اور پھر تیز دھڑکتے دل، کانپتے وجود کے ساتھ وہ اٹھی گہرا سانس بھر کر موبائل اٹھایا۔وہ صالح ابراھیم کو کال کر رہی تھی آنسو بہہ رہے تھے۔ہاتھ کانپ رہے تھے۔کال جا رہی تھی مگر وہ کال نہیں اٹھا رہے تھے۔افف خدایا کیا وہ واقعی ناراض تھے؟اس لمحے بریرہ بنتِ صالح کو دنیا خود پہ تنگ ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

❀❀❀❀❀

باقی آئندہ اِنشاءاللہ!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: